محمد سرور

منتخبات اسماعیلیہ

فرقہ اسماعیلیہ کے بعض نصوص کا انتخاب

دنیائے عرب میں آج تقریباً تمام علوم و فنون پر جس کثرت سے کتابیں شائع ہو رہی ہیں، اسے دیکھ کر عربی تاریخ کے عباسیوں کے دور اول کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ شاید ہی دنیا کی کوئی مشہور زبان ہو، جس میں چھپنے والی کسی اہم کتاب کا عربی میں ترجمہ نہ ہو جاتا ہو۔ اس کے علاوہ عربی زبان کے وہ قدیم علمی ورثے، جو اب تک گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے اور جنھیں سب سے پہلے اس عہد میں مغربی مستشرقین نے ایڈٹ کر کے چھاپا، اب خود عربی علما و محققین انھیں شائع کر رہے ہیں۔

اسلامی فقہ کی تدوین جدید کے سلسلے میں بعض عربی ممالک کی یہ کوشش ہے کہ پہلے کی طرح صرف اہل سنت کے ایک یا زیادہ سے زیادہ چار مذاہب فقہ پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ زیدی، اثنا عشری، اسماعیلی، اور اباضی مذاہب فقہ کے فتاویٰ بھی شامل کیے جائیں۔ چنانچہ قاہرہ کی وزارت اوقاف کے تحت جو نیا فقہی انسائیکلوپیڈیا مرتب کیا جا رہا ہے، اس میں ان سب مذاہب فقہ کے فتوے ساتھ ساتھ دیے گئے ہیں۔

اسی ضمن میں بعض مسلمان فرقوں کے مخصوص فلسفیانہ عقائد کی حامل تصانیف بھی جو اب تک مخفی تھیں، ایڈٹ کر کے شائع کی جا رہی ہیں۔ اس سلسلے کی ایک کتاب اسماعیلی فرقے کے فلسفۂ باطن پر مشتمل "منتخبات اسماعیلیہ" کے نام سے دمشق سے شائع ہوئی ہے۔ یہاں ہم اس کا تعارف کرا رہے ہیں۔

"منتخبات اسماعیلیہ" چار رسائل پر مشتمل ہے، پہلا رسالہ مشہور اسماعیلی داعی الدعاۃ قاضی نعمان (۳۰۲ھ - ۳۶۳ھ) کا ہے۔ اس کا عنوان ہے کتاب تربیۃ المومنین او تاویل دعائم الاسلام" اس کے چند ابواب ملاحظہ ہوں: ایمان و اسلام، ولایت، علم و عمل، طہارت، صفات وضو کی تاویل، الفرائض، صفات وضو کی تاویل، السنن، ظاہر یا نی ظاہر میں اور باطن میں۔

اسماعیلی قاضی نعمان کو "مشرع الاکبر" مانتے ہیں۔ ان کی بہت سی تصانیف تھیں، لیکن ان سب

میں " دعائم الاسلام " سب سے اہم اور زندہ جاوید سمجھی جاتی ہے۔ روایت ہے کہ فاطمی خلیفہ الظاہر لاعزاز دین اللہ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اس کتاب کو حفظ کریں۔ اور جو اسے حفظ کر لیتا تھا، اس کو خلیفہ انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔ قاضی نعمان کی اس کتاب میں فقہ امام مالک کا اثر بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ اور سوائے مسئلہ ولایت کے اس میں اور فقہ مالکی میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے۔ ان کی دوسری اہم کتاب جو نامکمل رہی اور وہ وفات پا گئے، اور جس پر بعد میں اسماعیلی داعیوں نے بڑا اعتماد کیا " تاویل دعائم الاسلام " ہے۔

فاطمیین کو جب شمالی افریقہ اور مصر میں اقتدار حاصل ہو گیا تو ان کا دور ستر و خفا ختم ہو گیا اور وہ مخصوص مجالس میں جنھیں " مجالس الدعوۃ التاویلیہ " کہا جاتا تھا، برملا طور پر اپنے عقائد لوگوں کے سامنے پیش کرنے لگے۔ یہ کام داعیوں کے سپرد تھا۔ اور اس کے لیے ایک خاص جگہ مخصوص ہوتی جسے " المحول " کہا جاتا۔ اور اس کی حیثیت ہمارے ہاں کے آج کل کے " لیکچر ہالوں " کی تھی۔ قاضی نعمان اپنے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " المعز لدین اللہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں اہل بیت کے علوم میں سے بعض امور پر لوگوں کے سامنے تقریر کروں۔ میں نے یہ کتابیں مرتب کیں۔ اور ان کا ایک ایک باب اور ایک ایک فصل المعز لدین اللہ کے سامنے پیش کی۔ اس کے بعد انھیں مجالس دعوت میں پڑھا " قاضی نعمان فاطمی روایت کے مطابق اپنی یہ ساری کتابیں " ولی اللہ " یعنی امام کی بتاتے ہیں۔ فاطمیوں کے ہاں علوم حقائق یا علوم تاویل کو علوم اہل بیت مانا جاتا تھا۔

مجموعہ کا دوسرا رسالہ " جلاء العقول وزبدۃ المحصول " ہے، اور اس کے مؤلف سیدنا علی بن محمد الولید ہیں۔ وہ دعوت اسماعیلی طیبی کے دور ستر و خفا کے پانچویں داعی تھے۔ ان کا سن وفات ۶۱۲ھ/ ۱۲۱۵ عیسوی ہے۔ ان کی طرف اور بہت سی کتابیں منسوب ہیں۔ یہ رسالہ جس دور میں لکھا گیا، وہ اسماعیلی فلسفہ کے ارتقا میں عروج کا دور ہے۔ اس رسالے کے تین باب ہیں، جن کے عنوان یہ ہیں: " التوحید والخلقۃ الجسمانیۃ "۔ " الکلام علی الخلقۃ النفسانیۃ "۔ " القول علی تسلسل الولادۃ النفسانیۃ الدینیۃ "۔ ان ابواب کی چند فصول کے عنوانات ملاحظہ ہوں: معرفۃ النفس و معرفۃ اللہ۔ علم الافلاک والکواکب۔ السموات النفسانیۃ والکواکب القدسانیۃ۔

المواليد المرتبة المعدنية۔ المواليد المرتبة النباتية۔ المواليد المرتبة الحيوانية۔ المرتبة البشرية الشخص الفاضل الديني۔ القيامة الكبرىٰ۔ ظاہر القناقض فی آی الکتاب۔

اس مجموعہ کا تیسرا رسالہ سید ناحاتم بن ابراہیم الحامدی متوفی ۵۹۶ھ کا تصنیف کردہ زھر بدر الحقائق" ہے۔ ان کی اور بھی بہت سی تصانیف ہیں۔ وہ اسماعیلیوں کے طیبی یمنی دور کے تیسرے داعی ہیں۔ اس میں انھوں نے ۸ا مسائل سے بحث کی ہے۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں: ابداع العقول، الہیولیٰ والصورۃ، الابعاض العشرۃ، الافلاک والکواکب المکان والزمان، کرات النار والہوا والماء والارض۔ فضیلۃ الناطق ثم الوصی ثم الامام، ذنب آدم، الجنۃ والشجرۃ، الجنۃ والنار، المطرہ، مصدرہ، والخلالہ، عقل الحدوعقل المحدود۔

چوتھے رسالے کا عنوان ہے "کتاب الازہار ومجمع الانوار"۔ اس کے مصنف داعی حسن بن نوح الہندی البھروچی متوفی ۹۳۹ھ یعنی ہندوستان کے صوبہ گجرات کے مقام بھرائچ کے رہنے والے ہیں۔ وہ اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ جزیرہ یمن کے داعی اور دولت فاطمی کے امین ہیں۔ بھرائچ میں پیدا ہوئے۔ اور ایک مدت تک وہیں کی ... [illegible] کیا اور ہندوستان سے یمن چلے گئے تاکہ وہاں ولی اللہ حسن بن ادریس بن حسنؒ کی قدم بوسی سے مشرف ہوں۔ اور جب ان کا انتقال ہوگیا تو مؤلف لکھتے ہیں کہ میں نے ان کے جانشین حسن بن ادریس بن حسن سے استفادہ کیا۔

رسالے کے شروع میں مصنف نے اپنے حالات زندگی لکھے ہیں اور بتایا ہے کہ انھوں نے کہاں کہاں سے علم حاصل کیا اور کن مراحل سے انھیں اپنی ثقافتی و دینی تربیت کے سلسلے میں گزرنا پڑا۔ رسالے کی چند فصول یہ ہیں: فی اسماء النطقاء واوصیائہم والائمۃ المتممین فی ادوارہم۔ رسول واسماءہ، النص بالوصایۃ لعلی بن ابی طالب۔ فضائل الائمۃ الاطہار۔

کتاب "منتخبات اسماعیلیہ" کو دمشق کی جامعہ سوریا کے شعبہ فلسفہ کے سربراہ ڈاکٹر عادل العوّا نے ایڈٹ اور مرتب کیا ہے۔ اور اسے فلسفہ باطنیہ کے مقوّمات کی پہلی قسط قرار دیا ہے۔

؎ یہ اسماعیلی طیبی دعوت کے دور ستر و خفا کے بیسویں داعی تھے۔ ان کا انتقال ۹۱۸ھ میں ہوا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سلسلے کو جاری رکھیں گے۔ مرتب نے اس کتاب کو "شعب عربی" کے نام ان الفاظ کے ساتھ معنون کیا ہے: "وہ جو اپنی قومی وحدت اور اپنی انسانیت کاملہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بے تاب ہے۔" کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس کا خلاصہ یہاں دیا جاتا ہے:

سلطان محمد شاہ علی المعروف بہ آغا خاں ثالث[۱] فرماتے ہیں: "اسماعیلیت کی شام میں جزیرہ عرب اور مصر کے بعد بنیاد پڑی تھی۔ اس تمام عرصے میں شام میں جو بڑی بڑی تبدیلیاں ہوئیں، ان کے باوجود اسماعیلیت وہاں برابر قائم رہی۔ اس کی دینی تعلیم کا سلسلہ بڑی مضبوطی سے جاری رہا، اور یہ ان لوگوں کی وجہ سے ممکن ہوا جو اپنی دینی جماعت کے لیے خلوص رکھتے تھے"[۲]

مصطفیٰ غالب نے اپنی کتاب میں اسماعیلیت کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے: "یہ ایک فلسفیانہ قصیدہ (شاعری) ہے جو زمانے کے ساتھ ساتھ ارتقا پذیر رہا اور اسی کے رنگ میں رنگا جاتا رہا۔ یا زیادہ صحیح الفاظ میں یہ اس عالم لامتناہی میں فعال اور آگے کو بڑھنے والے فکر کی دوڑ ہے یا روح کا اپنے مثالی پیکر کی طرف بڑھنا ہے......"

مصطفیٰ غالب کی طرح شام کے بعض دوسرے اسماعیلی اہل قلم نے بھی اسماعیلیت کی تعریف میں اسی طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ ایک صاحب عارف تامر ہیں۔ وہ اسماعیلیت کا تعارف یوں کراتے ہیں: اسماعیلیت ایک فلسفیانہ نظریہ اور ایک انسانیت کا فکر ہے۔ وہ معرفت کی مضبوط بنیادوں اور بیان کے محکم ستونوں پر کھڑی ہے۔ سوائے ان کے جو ریاضت کر چکے ہیں، باقی کے لیے وہ مخفی ہے۔ وہ جہالت کی پستی سے بصیرت کی بلندی کی طرف لے جاتی ہے۔ انہی صاحب کی اسماعیلیت کی یہ تعریف بھی سنیئے: اسماعیلیت ایک ایسا عقیدہ ہے، جو کائنات کی ابتدا سے اس کا ساتھ دے رہا ہے۔ وہ ایک حکمت ہے جس کی اساس کمال ہے اور جمال اس کے ستون ہیں۔ اس کی ابتدا بلندی سے ہے اور بلندی ہی کی طرف وہ جاتی ہے۔ وہ جہالت کے

---

[۱] سر آغا خاں مرحوم، موجودہ آغا خاں شہزادہ کریم کے جد امجد۔

[۲] مصطفیٰ غالب کے نام ایک خط مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۵۲ء مصطفیٰ غالب نے دعوت اسماعیلیہ پر ایک کتاب لکھی ہے، جو دمشق سے شائع ہوئی ہے۔

گزرتے ہوئے نکلتی ہے اور مدینہ فاضلہ تک لے جاتی ہے۔

مصطفیٰ غالب مذکور نے لکھا ہے کہ اس کی کتاب کا مقصد علم و حقیقت کی خدمت اور قارئین کو اسماعیلیوں سے متعارف کرانا ہے۔ اور اس کی خواہش ہے کہ اسماعیلیوں کی نوجوان نسلیں اپنے شاندار ماضی سے واقف اور اپنی طویل نیند سے بیدار ہوں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان کے وطن اور پوری عرب قوم کے لیے جس چیز میں سربلندی، خیر اور فلاح ہے، متحد ہو کر وہ اس کی طرف بڑھیں۔"

ڈاکٹر عادل العوا نے اسماعیلی اہل قلم کے اسماعیلیت کے بارے میں ان تاثرات کو پیش کرنے کے بعد اسماعیلیت کا تاریخی جائزہ لیا ہے۔ وہ اسماعیلیوں کے دونوں گروہوں نزاریوں جو آغا خانیوں کے نام سے مشہور ہیں اور بوہروں کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتا ہے: ہمارا اس مختصر بحث سے یہ مقصود نہیں کہ ہم جملہ اسماعیلیوں کی اپنے مذہب اور عقیدے کے بارے میں ان کی جو آرائیں ہیں، انھیں یہاں بیان کریں، اور ان کے مخالف ان کے مذہب اور عقیدے کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں، اس کا ذکر کریں۔ ہم یہاں صرف اسماعیلی اور غیر اسماعیلی محققین کی ان کوششوں کو خراج تحسین پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جو اس راز سے اب پردہ ہٹانے میں کوشاں ہیں، اگرچہ اس راہ پر ان کے قدم کچھ رک رک کر پڑتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ سب کوششیں فرقہ اسماعیلیہ میں ایک بیداری پیدا کرنے کی موجب ہو رہی ہیں، جو یقیناً ان فرسودہ روایات کو ختم کر دیں گی جنھوں نے کہ اس فرقے کی آزادی اور حرکت و عمل کو محدود کر رکھا تھا۔ تاکہ تمام عربوں کے اتحاد و اتفاق کے ذریعہ وطن اور پوری عرب قوم کو عزت و سربلندی ملے۔ اس کے بعد مرتب ڈاکٹر عادل لکھتے ہیں: اگرچہ کچھ عرصہ پہلے تک اسماعیلیت ایک معما اور رمز کی حیثیت رکھتی تھی، لیکن اب خود اسماعیلیت اور ہمارے لیے وقت آگیا ہے کہ آج کا زمانہ جس میں اسماعیلی رہتے ہیں، اور بالعموم ساری انسانیت رہتی ہے، اس کے بارے میں ہم سمجھ لیں کہ اس میں ضروری ہو گیا ہے کہ عقائد و مذاہب اور پوشیدہ خزانے روشنی میں لائے جائیں تاکہ انسانی ضمیر اور عقلیں تجربے، زندگی کی حقیقت پسندی، صراحت و وضاحت اور درایت کے ساتھ ان پر بحث

کریں۔ اس فکری آزادی و جمہوریت کے عہد میں یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ چیزوں پر موٹے پردے ڈالے جائیں۔ ان پر دروازے بند کیے جائیں۔ خزانوں کو زمین میں دفن کیا جائے اور علم و معرفت کو، خواہ وہ کیسی بھی علم و معرفت ہو، اللہ کی باقی مخلوق کو چھوڑ کر انسانوں کے صرف ایک گروہ کے لیے وقف کر دیا جائے۔

ماضی میں اسماعیلیت کو ایک عرصۂ دراز تک ستر و خفا میں رہنا پڑا، اور وہ عنواناً بھی اور عملاً بھی ایک باطنی دعوت بن گئی، اس پر مرتب لکھتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ ہر عقیدہ کی طرح اسماعیلیت کو اس راستے سے، جو اس کے لیے واحد راستہ تھا، ابتدائی مرحلہ سے گزرنا پڑا، جو اس دور میں جب دینی عقائد ایک دوسرے سے متصادم تھے اور اجتماعی، سیاسی اور ثقافتی آرا و افکار کا دنگل جما ہوا تھا، جس میں اس کے بقا کی صرف یہی صورت ممکن تھی۔ وہ دور گزر گیا۔ آج تو علمی، تاریخی اور قومی اعتبار سے ہمارے بس میں نہیں کہ ہم اسماعیلیت کے مطالعہ سے غفلت برتیں۔ اسی طرح متعدد دوسری تحریکات و رجحانات کے مطالعہ کو پس پشت ڈالیں، جو اسماعیلیت کی جلو میں چلیں، یا اس کی انھوں نے مخالفت کی۔ یا اس سے وہ پھوٹیں، یا وہ اس کے مقابلے میں آئیں۔ غرض یہ سب تحریکیں عربی اسلامی فکر کے موجزن آب رواں کے اندر سے نکلی تھیں۔ اسی عربی۔ اسلامی فکر کی جولان گاہ میں یہ ابھریں، بڑھیں، پھیلیں پھولیں اور مختلف انواع میں منقسم ہوئیں۔ اسی کے دینی، سیاسی، اجتماعی اور فکری عناصر تقویم سے ان تحریکوں نے غذا حاصل کی۔ اور بعد میں جو وہ سرگرم کار رہیں تو اس سے انھوں نے قوت پائی۔ ان حالات میں کسی لحاظ سے بھی یہ جائز نہیں کہ ہم اسماعیلیت کو اس ماحول سے جس میں وہ وجود میں آئی یا اس سے پھوٹی اور پروان چڑھی، الگ کریں۔

یقیناً یہ قابل تعریف بات ہے کہ خود بزرگان اسماعیلی اپنے فرقے کے داعیوں کے آثار و حالات کے مطالعہ کی طرف کہ ان کی اپنی ایک علمی و فلسفیانہ اہمیت ہے، متوجہ ہو رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسماعیلیت کی متوقع و مطلوبہ بیداری صرف اسی طرح حقیقی فلسفیانہ بیداری ہو سکے گی کہ اس کی بنیاد صحیح بیدار ذہن اور مضبوط فلسفیانہ فکر پر ہو اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان عقائد و افکار کو صحیح معنوں میں مشترک تجربات کے

مرکز اجتماعی کی طرف لوٹایا نہ جائے گا۔ اور ان کو اس اعتبار سے عملاً دیکھا نہ جائے گا کہ ہماری قومی ترقی و بیداری کی عمارت کی تعمیر میں ان کی حیثیت ایک اہم اینٹ اور کونے کے پتھر کی ہے۔

اور یہ کہ انسانی تہذیب کی تکوین میں یہ ہمارا عربی حصہ ہے۔

الغرض اگر فکر باطنی کو اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ اسلامی دور میں عربی فکر کے ارتقا کے منجملہ بہت سے پہلوؤں کے ایک پہلو ہے، بلکہ وہ ایک ایسا جزو ہے، جس سے یہ فکر تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ اور عقیدۂ اسلامی قرنوں اور صدیوں کے دوران انتہائی پیچیدہ طور پر جس طرح ارتقا پذیر ہوا، اس کے "ابعاض" یعنی شعبوں میں سے ایک "بعض" یعنی شعبہ ہے، جس سے نہ اعراض ممکن ہے اور نہ اس کو نظرانداز کرنا صحیح ہے۔ اسی سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے کہ باطنیت کے اپنے تنگ اور دقیق معنی میں جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، دوسرے رجحانات بھی ہیں، جو اسماعیلیت کے فکری میلان سے ملتے جلتے ہیں اور وہ اسی سے نکلتے ہیں۔ یا یہ رجحانات اس کے مخالف ہیں یا وہ اس کے ایک پہلو یا ایک سے زیادہ پہلوؤں سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان رجحانات میں سے سب سے اہم "موحدین" کا عقیدہ ہے، جسے عرف عام میں "عقیدۂ دروزیہ" کہا جاتا ہے۔ پھر مذہب علوی ہے یا عقیدۂ نصیریہ۔[۱]

باقی رہی باطنیت اپنے وسیع معنوں میں تو وہ فکر کے ہر اُس رخ پر حاوی ہے جو تفسیر سے تاویل کی طرف تجاوز کرتا ہے۔ اور جس کے نزدیک لفظ یا ظاہر ایک رمز ہوتا ہے، اشارہ نہیں یقیناً یہ صریح بات ہے کہ رمز و اشارہ میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ جہاں اشارہ کی دلالت عمومی، مروج اور مقرر شدہ ہوتی ہے، اس میں اور الفاظ میں ایک مضبوط و مقبول ربط ہوتا ہے اور وہ متعارف معنی کی حدود سے باہر نہیں جاتا، وہاں رمز اور رمزی باطنی فکر ظاہر کو ایسے معنی پہناتا ہے، جس کا ظاہر سے عمومی، مقرر شدہ اور براہ راست ربط نہیں ہوتا، اور زیادہ سے زیادہ دونوں میں بس مماثلت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ رمزی باطنی فکر میں ظاہر اور اس سے ماخوذ

---

[۱] دروز، علوی اور نصیری، یہ سب اہل تشیع کے فرقے ہیں۔ یہ سب شام، لبنان اور فلسطین میں صدیوں سے آباد چلے آتے ہیں۔

معنی کے درمیان دلالت مصنوعی اور زبردستی کی ہوتی ہے " طبیعی " یعنی مروج و متداول نوع کی نہیں ہوتی اور رموز کی جو تاویل باطنی کی جاتی ہے ، اس کا امتیازی نقطہ اس کی دلالت کا اضافی و نسبتی ہونا ہے۔ اس دلالت کا تعین باقی تمام ذہنوں کو چھوڑ کر صرف ایک ذہن خود اپنے لیے کرتا ہے۔ اس کا اتباع بھی ایک خاص گروہ کرتا ہے ، باقی سب لوگ نہیں کرتے۔ اس بنا پر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ باطنیت اپنے وسیع معنوں میں دینی ، فقہی اور سیاسی عقائد کی حدود سے آگے بڑھ کر تصوف اور آداب کے ، ان کے عام معنوں میں ، ایک رخ یا ایک سے زیادہ کئی رخوں پر حاوی ہو جاتی ہے۔

اسماعیلیت کے اس علمی و تاریخی جائزہ کے بعد " منتخبات اسماعیلیہ " کے مرتب ڈاکٹر عادل لکھتے ہیں کہ عربی و اسلامی فکر کے فلسفہ باطنی کے مطالعہ کی ابتدا ہم سب سے پہلے ان اہم مسودات کی اشاعت سے کرتے ہیں ، جو ہمیں مشرق و مغرب کے مختلف کتب خانوں میں مخطوطات کی شکل میں ملے ہیں۔ اور اس سے ہماری غرض اپنے عربی علمی و فکری ورثے کی نشر و اشاعت میں حصہ لینا اور اس کے بعض پہلوؤں سے پردہ اٹھانا ہے۔ یہ فلسفہ باطنی کے مقومات (مقوّم۔ تقویم کرنے والا) کا جزو اول ہے ، جسے " منتخبات اسماعیلیہ " کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد دروزی اور علوی عقائد کے مسودات شائع کیے جائیں گے۔

آخر میں فاضل مرتب اس بحث کو یوں ختم کرتے ہیں :

ہم جو یہ منتخبات شائع کر رہے ہیں تو اس سے مقصود عقائد کی بحث میں پڑنا نہیں بلکہ یہ ایک صحیح فلسفی بحث کے لیے دروازہ کھولنا ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے اور ہمیں اس کے سب سے بجا ہونے پر یقین ہے کہ آج اس زمانے میں ان تمام مسودات کو شائع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ وہ تاریخی اسباب جو ان مسودات کو مخفی رکھنے اور انھیں چھپانے کے مقتضی تھے ، ان کے دن گزر گئے ہیں۔ اور سچ پوچھیے تو آج ان اسباب میں سے صرف ذہنی و نفسیاتی لحاظ سے باطنی تاویل کی حفاظت کا موقف ہی باقی رہ گیا ہے۔